Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

اُردو نظم میں مشرق بطور سیاسی وحدت

(اقبال، راشد اور سلیم احمد کے خصوصی حوالے سے)

ڈاکٹر عنبرین منیر

گورنمنٹ کالج برائے خواتین بند روڈ لاہور

Dr. Ambreen Munir

Government College for Women Band Road Lahore

ISSN

eISSN: 2789-6331

pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an article open access distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Iqbal, Rashid and Saleem Ahmad are remarkable poets in their respective eras. An important theme in their poetry is the depiction of political, social and economic aspects in the Eastern World. The three poets have different ideologies and writing styles. However, they all promote unity, peace and prosperity in the Eastern nations. The aim of this research is to draw a comparison among the three poets and highlight the way in which they depict the issues of the Eastern world.

تاریخ کے آئینے میں مشرقی تہذیب دنیائے قدیم یعنی چھ یا سات ہزار سال قبلِ مسیح میں وادی نیل اور ایشیا کے زرخیز علاقوں میں جلوہ گر ہوئی۔ یہیں مصر، بابل اور ایشوریہ تہذیب پھولی پھلی۔ یہ پیغمبروں کی دھرتی روحانی اقدار اور علم و دانش کی علمبردار ٹھہری۔ 1505ء میں جب بابر کی حکومت برصغیر میں مضبوط ہو رہی تھی مغرب میں سرمایہ دارانہ نظام اور صنعتی انقلاب نے جنم لیا۔ مغربی ممالک خام مال کی تلاش اور تجارتی کمپنیوں کے قیام کے بہانے مشرق میں داخل ہوئے اور بالآخر بزورِ قوت اپنی تجارتی اجارہ داری کے بعد سیاسی استبداد سے نو آبادی سامراجی نظام کو قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس غاصبانہ تسلط سے مشرقی معاشرہ و تہذیب جس انتشار اور بے چینی کا شکار ہوئی ادیب اور شاعر اُس سے محفوظ نہ رہ سکا۔

اقبال اسی دورِ محکومی میں پیدا ہوئے اسلامی اقدار نے اُن کی شخصیت کو سینچا، ہوش سنبھالا تو برصغیر اور دیگر مسلم و غیر مسلم اقوام مشرق کو مغربی سامراجی تسلط کا اسیر پایا۔ مغلوب قوم میں عام طور پر احساسِ ذات اور نرگسیت اُبھر آتی ہے وہ اپنی زمین کے چھن جانے کے بعد اپنے قومی تشخص کی حفاظت زیادہ دل جمی سے کرنے لگتے ہیں لیکن غلامی اور خود داری کا ساتھ ممکن نہیں۔ اسی لیے اہل مشرق کا فکری رجحان مغرب کی ذہنی غلامی کی طرف افزائش پذیر ہونے لگا۔ قیام انگلستان کے دوران اقبال مغربی تعلیم و تہذیب کی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ساتھ غاصبانہ چالوں، سرمایہ دارانہ ذہنیت اور سیاسی حلیہ سازیوں سے آگاہ ہوئے۔ اقبال بحیثیت ہندوستانی مسلم مشرق اور ملت اسلامیہ سے گہری ذہنی وابستگی رکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اسلام کو اقوام مشرق کی حقیقی روح اور مرکزی رابطہ قرار دیا اور مسلم اقوام مشرق کو سیاسی وحدت کا راستہ دکھایا۔ ایسا نہیں کہ جب وہ اقوام مشرق کو ہیئت اجتماعیہ انسانیہ بننے کی تلقین کرتے ہیں تو چینی، جاپانی اور غیر مسلم ہندوستانیوں کو اس وحدت سے خارج کر دیتے ہیں۔ فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :

> "اقبال نے ڈاکٹر قاضی عبد الحمید کو بتایا تھا کہ اسلام میں خلافت راشدہ کے بعد اب تک ایک بھی متحدہ ریاست قائم نہ ہو سکی اور نہ ہی اس کی کوئی اُمید دکھائی دیتی ہے البتہ اتحاد اسلامی کا تخیل اس معنی میں ضرور عملی جامہ پہن سکتا ہے کہ تمام اقوام آزاد ہوں اور وہ اسلامی مقاصد کے لیے باہم ایک دوسرے سے تعاون کریں یہ حکومتیں ایک قسم کی اسلامی قومی حکومتیں ہوں گی، مگر ان قومی حکومتوں کی بنیاد اخلاق اور محبت پر استوار ہونی چاہیے ظاہر ہے مغرب کی قومیت کے برعکس ہیئت اجتماعیہ کا یہ ایسا وسیع نقطہ نظر ہے جس میں نہ صرف مسلمان بلکہ ساری انسانی برادری جمع ہو سکتی ہے۔"(1)

اس بیان سے اقبال کی سیاسی بصیرت روشن ضمیری اور اسلامی تعلیمات سے والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ بے تعصبی کا ثبوت ملتا ہے۔ اقبال جانتے ہیں کہ کسی خطہ زمین کی مختلف النوع اقوام کو سیاسی وحدت میں ضم کرنے کے لیے مشترکہ سیاسی مفادات، یعنی مغرب کی غلامی و استحصال سے آزادی اور مشترکہ سیاسی حریف یعنی فرانس برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اتحاد کا ہونا لازمی ہے۔ انہی دونوں بنیادوں پر وہ اقوام مشرق کو سیاسی وحدت میں ڈھلنے کی دعوت دیتے۔

اقبال کی نظموں میں مشرق بطور سیاسی وحدت ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اُس منزل پر پہنچ جاتا ہے، جہاں اقبال کے اکثر فلسفیانہ اور ملی تصورات اسی تناظر میں معنویت پاتے ہیں۔ بانگ درا کی پہلی نظم 'ہمالہ' میں ہمالہ کشور ہندوستان ہی نہیں کشور مشرق بھی ہے جبکہ جلد ہی نظم 'ترانہ ہندی' مشرقی اقوام کی محبت میں 'ترانہ ملی' بن جاتی ہے۔ نظم عبد القادر کے نام میں وہ اہل مشرق کو خود احتسابی کا درس دیتے

ہیں۔ اسی دور سے تنقید مغرب اور تنبیہ مشرق اُن کی شاعری کا مستقل حوالہ بن جاتا ہے نظم مارچ 1907ء میں اقبال مشرق کے درماندہ کارواں کے لیے اپنے اشعار کو شعلہ بار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہو گا

(کلیاتِ اقبال، ص250)

اقبال مشرق کے شہروں مسجدوں اور دیگر مذہبی آثار میں خصوصی دلچسپی کا اظہار 'بلادِ اسلامیہ' اور گورستان شاہی جیسی نظموں میں کرتے ہیں۔ مشرقی قوموں کا عروج و زوال نظم 'شکوہ' کا مرکزی موضوع بن جاتا ہے۔ اس نظم میں مشرق ایک ایسے کردار میں ڈھل جاتا ہے۔ جو مختلف مذاہب، اقوام، رنگ و نسل اور علاقائی حدود کا گہوارہ ہے انہی قوموں میں سے مسلم قوم نے اُسے عروج کے سنہری لمحات عطا کیے اب وہ اسی قوم کے زوال پر نوحہ گر ہے۔ نظم 'جوابِ شکوہ' براہِ راست مشرق کے مسلمانوں کی کوتاہیوں، فرقہ بندیوں اور بے عملی کی تصویر کشی کرتی ہے۔ جس میں اقبال مسلمانان مشرق کو مافوق القومیت نظام میں منظم ہونے کی تلقین کرتے ہیں :

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

سید ابو الحسن ندوی رقمطراز ہیں :

"وہ مشرق کی اسلامی اقوام کو ملامت کرتے ہیں جن کا منصب قیادت و امانت کا تھا لیکن وہ پست درجہ کی شاگردی اور ذلیل قسم کی نقالی کا کردار ادا کر رہی ہیں۔"(2)

اقبال نظم 'شمع و شاعر' میں اسی احساس ذلت وزیاں کے کھو جانے پر اظہار تاسف کرتے ہیں اور 'خضر راہ' میں مشرق اور ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک چاک دیکھتے ہیں۔ اقوام مغرب کا دیو استبداد جمہوری نظام کی نیلم پری بنا ہوا ہے جس سے سادہ دل مشرقی مرعوب ہوئے جا رہے ہیں۔ اسی مقام پر اقبال سیاست کو مذہب کے تابع رکھتے ہوئے مسلم اقوام مشرق کی جغرافیائی وحدت کو وسیع کرتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

(کلیاتِ اقبال، ص469)

'بانگ درا' کی آخری نظم 'طلوعِ اسلام' دراصل طلوع مشرق کا استعارہ ہے، مسلمانانِ مشرق نہ صرف مشرق کو آزاد کر سکتے ہیں بلکہ مغرب میں بحیثیت آزاد وحدت اثر و رسوخ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا

کہ اقوام زمین ایشیا پاسباں تو ہے

(کلیاتِ اقبال، ص480)

اقبال کے فلسفہ و فکر میں مشرق کی مرکزیت کا احساس اُن کے 1923ء میں شائع ہونے والے فارسی مجموعہ کلام 'پیامِ مشرق' کے عنوان سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ اس مجموعہ کا محرک تصنیف 'اقبال' جرمن حکیم حیات "گوئٹے" کا مغربی دیوان قرار دیتے ہیں جس سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزوری روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت تلاش کرنے کا متلاشی ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے اور انسانیت سوز انجام نے مشرق کو مزید شکست وریخت سے دوچار کر دیا تھا۔ اقبال سے دگر گوں حالات میں مسلمانوں کو خود اعتمادی پر مائل کرتے ہیں۔

فتح محمد ملک لکھتے ہیں :

"اقبال کی زندگی کا نصف آخر مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق کو مغرب کے تہذیبی اور سیاسی استعمال سے نجات کی راہیں سمجھانے اور خودی کی پرورش کی ترغیب دینے میں صرف ہوا۔"[3]

اقبال کا مجموعہ 'بالِ جبریل' کی نظمیں مسجد قرطبہ اور ذوق وشوق مسلم مشرق کے عہد رفتہ اور جنت گم گشتہ کی بنیاد جذبہ عشق پر رہ کر بحال کرنے کا پیغام دیتی ہیں۔ یہاں مشرق کو حرارت بخشنے والے قافلہ حجاز میں حسین کی کمی اقبال کو بے چین کر دیتی ہے۔

'ساقی نامہ' ایشیا کے حالات اور سیاسی انقلابات کے تناظر میں لکھی جانے والی رجائی لب ولہجہ کی نظم ہے۔ جس میں اقبال اقوام مشرق میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کو مٹا کر گراں خواب چینی کے سنبھلنے کو خوش آئند ٹھہراتے ہیں۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

ہمالہ کے چشمے رہنے لگے

(ص744)

اقوام مشرق سے رابطے کے لئے اقبال اپنی فارسی مثنوی 'پس چہ باید کرد اے اقوام شرق' میں مشرقی قوموں کو ہیئت اجتماعیہ کے طور پر مخاطب کرتے ہیں اس کے علاوہ اُردو کی اکثر نظموں میں مشرقی قوموں کو انفرادی توجہ بھی دیتے ہیں۔ اقبال خود کشمیری تھے اور کشمیری قوم کا کرب اُن کا اپنا کرب تھا اسی لیے 'ارمغانِ حجاز' کا ایک گوشہ اقبال نے 'ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کی بیاض' کے عنوان سے منسوب کیا ہے۔ جس میں کشمیریوں کو مغرب کی تاجرانہ ذہنیت سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ضمیر مغرب ہے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ

وہاں دگر گوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ

(کلیاتِ اقبال، ص1134)

مسئلہ فلسطین بھی اقبال کی شاعری کا مستقل موضوع رہا ہے، ضربِ کلیم کی نظمیں شام و فلسطین اور فلسطینی عرب سے اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ مسلم مشرقی ممالک میں اقبال افغانستان کی قوم سے بھی خصوصی محبت رکھتے ہیں۔ 'ضربِ کلیم' میں بیس نظموں پر مشتمل ایک حصہ "محراب گل افغان کے افکار" کے عنوان سے شامل ہے۔ اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ اس قوم کی خودی کہساروں میں خوابیدہ ہے جسے بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ 'بالِ جبریل' کی نظم نادر شاہ افغان اور 'خوشحالی خاں کی وصیت' افغاں قوم سے اسی محبت کا شاخسانہ ہے۔

ایران بھی اقبال کے شعور مشرق کی وحدت کی مرکزی اکائی ہے۔ ایران نے جب رضا پہلوی کی قیادت میں یورپ سے آزادی حاصل کی تو اقبال نے اسے سراہا لیکن جلد ہی ترکی کے کمال اتاترک کی طرح رضا پہلوی نے بھی تقلید کی روش اپنا کر اقبال کو مایوس کر دیا۔

مصطفٰی نہ رضا شاہ میں ہے اس کی نمود

کہ روحِ مشرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

(کلیاتِ اقبال، ص1134)

مصر، عراق، شام اور سرزمین حجاز سے اقبال کی عقیدت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور پر حجاز کو وہ مشرقی اقوام کی رشتہ کی بنیادی کڑی تصور کرتے تھے۔ حجاز کے شہروں، کرداروں اور تاریخی حوالوں کی طرف والہانہ محبت کا اظہار ملتا ہے لیکن جب پہلی جنگ عظیم میں عربوں کا کردار ملت اسلامیہ پر ذاتی مفاد کو ترجیح دینے والی قوم کے طور پر اُبھرا تو اقبال نے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فرمایا۔

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر

یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور

(اقوامِ مشرق، ص926)

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

یہاں آخری مجموعہ ارمغانِ حجاز کی نظم ابلیس کی مشرق شوریٰ کا ذکر ناگزیر ہے جس میں وہ مغرب کے مکر و فریب اور دوغلے پن کی حقیقت کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور اپنی پیش بینی کی بنا پر مشرق کو مثالی قوم بننے کے لیے سیاسی وحدت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم اقوام مشرق دیگر غیر مسلم مشرقی قوموں کے ساتھ مل کر مغربی استبداد کا مقابلہ کریں۔

ن م۔ راشد :

اقبال کے بعد مشرق کو بطور سیاسی وحدت دیکھنے والے شاعروں میں ن م۔ راشد کا نام سر فہرست ہے۔ راشد بھی غلام مشرق کے باشندے تھے اور دیگر حساس تخلیقی اذہان کی مانند اقوام مشرق کی سیاسی محکومی اور ہزیمت کا درد محسوس کرتے تھے اگرچہ راشد نے مشرق بطور سیاسی وحدت کا جو تصور پیش کیا اُس میں خصوصی طور پر مسلم مشرقی ممالک کا ذکر موجود ہے لیکن وہ اقبال کی مانند ان ممالک کو کلمہ توحید کی بنیاد پر متحد ہونے کا درس نہیں دیتے بلکہ اُن کا خیال ہے کہ مشترکہ مقاصد غلامی کا کرب اور مشترکہ سیاسی حریف ان قوموں کے اتحاد کی وجہ بن سکتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب پہلی جنگ عظیم کے انسانیت سوز نتائج کے بعد دوسری جنگ عظیم کی آگ انسانی ناموس و حیات کا نذرانہ مانگ رہی تھی۔ راشد 1943ء میں فوجی تقرری کے باعث ایران، عراق اور مصر میں تعینات رہے۔ اس تجربے نے اُن کی ہندوستانی سیاسی بصیرت کو مشرقی سیاسی بصیرت میں تبدیل کر دیا۔ تاریخی اور تمدنی نقطہ نظر سے جنگ دوم سے قبل اور مابعد مشرق امریکہ فرانس برطانیہ کی اتحادی فوجی کا غلام تھا۔ مغربی زنجیروں سے نڈھال مشرق راشد کی نظموں میں کثیر التعداد علامات میں جلوہ گر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ راشد کی ابتدائی رومانی نظموں میں ہی مشرق کی غلامی کی مہیب اور روح ستاں اذیتوں پس منظر کا کام دیتی ہیں۔ اپنے پہلے مجموعہ ماورا کی ابتدائی نظم 'انسان' میں غیر ملکی قوم کے بے جا تصرف سے اُبھرنے والی بے بسی سے راشد چیخ اُٹھے اور 'خواب کی بستی' بسانے پر مائل ہوئے۔ ایسی بستی جو نظم 'زندگی، جوانی، عشق اور حسن' میں وطن سے دور سرزمین عجم میں شاید مل سکے۔ یہی نظم راشد کی شاعری میں مشرق کا پہلا حوالہ بن جاتی ہے۔

غلامی کی ذلت سے فرار کی اس کوشش میں مقامی باشندوں کی لاشعوری پیچیدگیوں سے راشد بخوبی واقف تھے اُن کی نظم، انتقام، شرابی اور خودکشی اس دور کے فرار آمادہ ذہنیت کی عکاس ہیں جو مشرقی قوموں میں اسلاف کی قدامت پرستی اور خدا کے تصور سے بغاوت کا جذبہ اُبھارتی ہے اہل مشرق سمجھے ہیں کہ اُن کا کوئی پُرسانِ حال اور خدا نہیں رہا۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

تجھے معلوم ہے مشرق کا خدا کوئی نہیں

اور اگر ہے تو سراپردہ، نسیان میں ہے

(شاعر درماندہ، ص94)

'ماورا' کے بعد منظر عام پر آنے والا دوسرا مجموعہ 'ایران میں اجنبی' راشد کے مشرقی سیاسی شعور کے حوالے سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ 'ایران میں اجنبی' کی نظموں میں راشد نہ صرف اہل مشرق کو مغرب کے مکر و فریب تاجرانہ ذہنیت اور سیاسی چیرہ دستیوں سے آگاہ کرتے ہیں بلکہ مغربی استبداد کی غارتگری سے فرار حاصل کرنے کے بجائے بغاوت اور صف آرائی کا مشورہ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا راشد کی اسی سیاسی بغاوت کو مثبت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "راشد کی یہ بغاوت محض اپنے ملکی معاملات تک ہی محدود نہیں رہی۔۔۔ چنانچہ ان کے دوسرے مجموعہ کلام 'ایران میں اجنبی' کا طرہ امتیاز ہی یہی ہے کہ اس میں راشد نے محض ہندوستان کی محکومی کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کی بلکہ سارے ایشیا پر مغرب کے غلبے کی مذمت کی ہے۔"[4]

"ایران میں اجنبی" کی نظموں میں ایران کا سیاسی ماحول پس منظر بن جاتا ہے جس پر اجنبی قوم کی غارتگری کے نشانات و آثار اور محکوم مشرقی ممالک کے عوام کی ذلت و استحصال کے نقوش دونوں بیک وقت اُبھرتے ہیں جو انہیں آزادی کی شدید خواہش پر اُکساتے ہیں راشد خود کہتے ہیں :

> "جنگ کے زمانے کے ایران کو دیکھ کر یہ احساس نہایت شدید طور پر ہوا کہ کیسے ہم سب ایشیائی تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے ایک زنجیر کے ساتھ بندھے ہیں۔"[5]

اسی حوالے سے پطرس بخاری 'ایران میں اجنبی' کی تمہید (طبع اوّل) میں کہتے ہیں کہ :

> "ہمارے ہاں وطنی شاعر بھی ہوئے اور قومی بھی، اخلاقی شاعر بھی اور اشتراکی بھی۔ لیکن جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے ایشیائی شاعر آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔"[6]

اگر بغور جائزہ لیں تو راشد کی اپنی شخصیت اُس دور میں مشرق میں پائے جانے والے تضادات کی ترجمان تھی۔ وہ بیک وقت انگریز فوج میں ملازم یعنی اُن کے جبر کا کارندہ تھے اور دل ایشیا کی آزادی کے نام پر دھڑکتا بھی تھا۔

کہ غیروں کی تہذیب کی اُستواری کی خاطر

عبث بن رہا ہے ہمارا لہو مومیائی

(پہلی کرن، کلیاتِ راشد، ص130)

راشد ایشیا کے باشندوں کو محکومی اور سیاسی ہزیمت کی بنا پر انتشار اور خود غرضی کی دلدل میں پھنسا دیکھتے ہیں تو مشرقی اقوام کو ایک وحدت میں پرونے کے لیے مغرب کے ہاتھوں تذلیل کے نقشے مغربی ناپاک ارادوں کے قصے اور سیاسی حیلوں کے سلسلے قلمبند کرتے ہیں تاکہ اہل مشرق جان جائیں کہ اُن کا درد اور درد کی دوا ایک ہے۔ نظم 'زنجیر' میں راشد نے نفیس استعاروں سے سالہا سال سے غلام بے بس اور مشقت پر مجبور مشرق کو بغاوت پر آمادہ کیا۔

غلامو! بھاگ جاؤ ! ظلم پروردہ

پردہ شبگیر میں اپنے سلاسل توڑ کر

چار سو چھائے ہوئے ظلمات کو اب چیر جاؤ

اور اس ہنگام باد آورد کو

حیلہ شب خوں بناؤ!

(زنجیر، کلیاتِ راشد، ص144)

راشد کے نزدیک مشرقی محکوم اقوام میں خواجہ سرائی 'ماضی پرستی' بے عملی اور نا اتفاقی وہ فساد کردار ہیں جن کی موجودگی میں آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ نظم 'سومنات' اگرچہ سرزمین ہندوستان استعارہ ہے لیکن راشد اسے پورے ایشیا ممالک کا

عکاس بنا دیتے ہیں۔ جہاں بظاہر آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا ہے لیکن دراصل عوام کی آزادی مقصود نہیں ہے بلکہ لیڈروں کو اپنے مفادات عزیز ہیں راشد کے نزدیک حقیقی آزادی کے لیے قدامت پرستی ترک کرنی ہو گی۔

عجوزہ سومنات کے اس جلوس میں ہیں

عقیم صدیوں کا علم لادے ہوئے برہمن

جو اک نئے سامراج کا خواب دیکھتے ہیں

اور اپنی توندوں کے بل پہ چلتے ہوئے مہاجن

حصول دولت کی آرزو میں بہ جبر عریاں

بجھا چکے ہیں جو اپنے سینے کی شمع ایقاں

(سومنات، کلیاتِ راشد، ص146)

سومنات کے علاوہ نظم نمرود کی 'خدائی وزیر چنیں' کیمیا گر اور شاخ آہو میں بھی راشد مشرق کے رہنماؤں کی مفاد پرستی کو بے نقاب کر کے تنبیہ مشرق کا فرض ادا کرتے ہیں۔ نظم 'سباویراں' میں سرزمین سبا ایک سطح پر مشرق کے ذہنی معاشی اور تہذیبی و تخلیقی بنجر پن کی علامت بن جاتی ہے جس کی زمیں پر مغربی عیار غارت گروں کے نقش پا ابھی تک باقی ہیں۔

'ایران میں اجنبی' میں ایران پورے ایشیاء کی علامت ہے اس لئے راشد مشرقی ممالک کے ناموں کی فہرست نہیں دیتے دراصل وہ مشرق کا ایک نامیاتی سیاسی وحدت کے طور پر ادراک کرنا چاہتے ہیں اسی لیے اپنی نظموں میں ہم ہندوستانی، ہم ایرانی اور ہم عراقی کے بجائے ہم ایشیائی کی اصطلاح بطور صیغہ جمع استعمال کرتے ہیں مثلاً

کہ آؤ کہ ہے وقت کا یہ تقاضا

کہ ہم ایک ہو جائیں ہم ایشیائی

(نارسائی، ص201)

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

پریشاں و غمگین و تنہا

کہ ہم ایشیائی

(طلسمِ ازل، کلیاتِ راشد، ص166)

بس ایک زنجیر

ایک ہی آہنی کمندِ عظیم

پھیلی ہوئی ہے،

مشرق کے اک کنارے سے دوسرے تک

مرے وطن سے ترے وطن تک

بس ایک ہی عنکبوت کا جال ہے کہ جس میں

ہم ایشیائی اسیر ہو کر تڑپ رہے ہیں

(من و سلویٰ، کلیاتِ راشد، ص192)

'ایران میں اجنبی' کی نظموں میں مشرق کی ابتر حالی اور مغربی استبداد کی تصویر کشی کے باوجود راشد مستقبل سے نااُمید نہیں بلکہ مشرقی اقوام کی سیاسی وحدت سیاسی کامیابی اور آزادی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ نظم یہ دروازہ کیسے کھلا؟ میں دروازہ قید اور اسیری کے علامت ہے۔ راشد کی سیاسی بصیرت اُن آثار و امکانات کا شعور رکھتی ہے جو روشن مستقبل کا پیش خیمہ میں کیونکہ آدھی جنگ ارادے اور ہمت سے جیتی جاتی ہے اس لئے وہ کہتے ہیں :

ابھی ہم نے دہلیز پر پاؤں رکھا نہ تھا

کواڑوں کو ہم نے چھوا تک نہ تھا

جلد نمبر05، شمارہ نمبر01، جون-2024

کیسے یک دم ہزاروں ہی بے تاب چہروں پہ

تارے چمکنے لگے

جیسے اُن کی مقدس کتابوں میں

جس آنے والی گھڑی کا حوالہ تھا

گویایہی وہ گھڑی ہو (یہ دروازہ کیسے کھلا؟ کلیاتِ راشد، ص184)

نظم "دست ستم گر" اور 'تیل کے سوداگر' کا اختتام بھی رجائی لب ولہجہ پر ہوتا ہے۔ 'تیل کے سوداگر' راشد کے تصور مشرق کے سلسلے کی سب سے اہم نظم ہے جس میں راشد استعماری مذموم عزائم، سیاسی حیلہ سازی، چاپلوسی، تہذیبی غلبہ، اقتصادی اور معاشی قتل عام، قید وبند کے تازیانے ہر حوالے سے مشرق کے زوال اور مغرب کے خدوخال کو پیش کیا اور مشترکہ مشرقی کرب کو مشرق کی وحدت کی بنیاد بنا کر ایک خوش آئند مشرق کی خاطر ہاتھ میں ہاتھ دینے کی راہ دکھائی۔

میرے ہاتھ میں ہاتھ دے دو!

مرے ہاتھ میں ہاتھ دے دو!

کہ دیکھی ہیں میں نے

ہمالہ و الوند کی چوٹیوں پر شعاعیں

انہیں سے وہ خورشید پھوٹے کا آخر

بخارا سمرقند بھی سالہا سال سے

جس کی حسرت کے دریوزہ گر ہیں (تیل کے سوداگر، کلیاتِ راشد، ص238)

اقبال اور راشد کے تصور مشرق کا موازنہ کرتے ہوئے خلیل الرحمن اعظمی لکھتے ہیں :

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

"اقبال کو شاعر مشرق محض رسماً نہیں کہا گیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لقب اس کی شاعری کے اصل سرچشموں تک ہمیں پہنچا دیتا ہے۔ راشد کو اگر یہ لقب نہیں دیا گیا مگر راشد کی شعری کائنات کا احاطہ کیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اس کی شاعری کا مرکز و محور بھی مشرق اور اس کی روح ہے۔"[7]

"ایران میں اجنبی" کے بعد راشد کا منظر عام پر آنے والا تیسرا مجموعہ لا انسان کی اشاعت تک مشرق بظاہر مغربی سامراج کے جغرافیائی استبداد سے آزاد ہو چکا تھا شاید اسی لئے اُن کی نظم 'دل مرے صحرا نور پیر دل 1949ء کی اسرائیلی پسپائی اور مصر کی پیش قدمی سے مشرق کے خود اعتمادی اور خود شناسی کا ترانہ بن گئی۔

یہ تمناؤں کا بے پایاں الاؤ گر نہ ہو

ایشیا، افریقہ پہنائی کا نام

(بے کار پہنائی کا نام)

یورپ اور امریکہ دارائی کا نام

(تکرارِ دارائی کا نام)

میرا دل، صحرا نورد پیر دل

جاگ اُٹھا ہے مشرق و مغرب کی ایسی یک دلی

کے کاروانوں کا نیا رویا لیے

(کلیاتِ راشد، ص 271 تا 277)

مگر اس وقتی کامیابی کے بعد جب مشرق کے باشندوں کو تخلیق اور اظہار کی آزادی میسر نہیں آئی تو راشد انسان کی قدر و قیمت اور مقام کے تعین کو فکر کا محور بنانے لگے جو ابھی بھی حقیقی آزادی، آزادی فکر اور آزادی اظہار کا متلاشی ہے۔ آزادی اور خود داری راشد کا خواب رہی ہے۔ اسی خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے وہ مشرق کو بطور ایک سیاسی وحدت پیش کرتے ہیں۔ بقول انیس ناگی :

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

"اجمالاً 'ایران میں اجنبی' میں افرنگ کے خلاف بغاوت ایشیائی وحدت، سامراجی قوتوں کے خلاف احتجاج، امن عالم اور اخوت و مساوات، شباب گریز پا کا احساس، شاعر کی وطن سے دوری، شاعر کی تنہائی اور یادوں کا بیان ملتا ہے۔"[8]

سلیم احمد

1971ء میں سقوط ڈھاکہ کے سانحہ سے اُس نظریاتی نسل کو شدید دھچکا لگا۔ جو قیام پاکستان کے وقت پاک سرزمیں کے خواب آنکھوں میں بسائے اپنے گھر بار کاروبار شہر گاؤں آثار بچپن کی یادیں بزرگوں کی ہڈیاں اور لاشعور سے چمٹے ہوئے تہذیبی ڈھانچے کی دھرتی سے ہجرت کے تجربے سے گذری، مہاجر اور پناہ گزیں کہلائی اور وطن کی محبت میں حالات کی سنگینی کو خندہ پیشانی سے برداشت کر گئی۔ سقوط ڈھاکہ اقتدار و اختیار کے ایوانوں اور فوجی ہیڈ کوارٹروں کی ناعاقبت اندیشی کا وہ، ناگہاں، پُر ہول اور اٹل نتیجہ تھا جس سے قومی وجود کی وحدت دولخت ہو گئی۔ مشرقی پاکستان نہیں گیا مشرقی تہذیب و ثقافت میں مسلم بھائی چارا خوت کی روایت ہار ہو گئی۔ سلیم احمد کی طویل نظم 'مشرق' اسی سانحے کے تناظر میں لکھی گئی۔ جو ہر حساس اور باشعور طبقے میں مایوسی کلبیت اور تشکک کے رویے کو جنم دے رہا تھا۔ یہ طویل نظم دو فصلوں اور انیس ضمنی طویل نظموں پر مشتمل ہے۔ جس میں مشرق اور مغرب، غالب اور مغلوب اقوام اور فرد اور اجتماع کا آپسی رشتہ زیر بحث آیا اور مشرق بطور سیاسی وحدت کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ سلیم احمد نے اس نظم میں اپنی ذاتی زندگی کے تجربات کے آئینے میں اپنے دور کے سیاسی اور غیر سیاسی حالات اور اُن کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو اُجاگر کر کے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا ہے وہ لکھتے ہیں :

"ایک شاعر کے پاس ذاتی تجربے کے سوا اور کیا ہوتا ہے... اُس سے اُس کی ذاتی زندگی چھین لیجیے آپ دیکھیں گے کہ وہ ساحل کی سیپیوں کی طرح خالی ہے... اس نظم کی بنیاد میری ذاتی زندگی پر ہے۔"[9]

طویل نظم 'مشرق' کا عنوان اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ سلیم احمد کے تخلیقی تجربے میں مشرقی تہذیب کے اقدار و آثار مرکزیت کے حامل ہیں جو طویل مغربی تسلط کی بنا پر اپنی پہچان کھو بیٹھے ہیں۔ یہی مشرق کی حقیقی ہار ہے اور سلیم احمد بے نام قومیت سے شناخت اور ہار سے جیت کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں۔ نظم 'مشرق' کے پیش لفظ میں سلیم احمد اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ نظم 1971ء میں لکھی۔ لیکن یہ نظم اُن کے اندر پینتیس 35 سال سے پک رہی تھی۔ والد کی وفات کے بعد انہیں تربیت و تعلیم دینے والے تایا حکیم سید شجاعت ایک مسلم لیگی تھے۔ لکھنو میں اُن کے پاس قیام کے دوران سلیم احمد خاکسار تحریک سے پروفیسر کرار احمد اور کٹر

مسلم لیگی محمد حسن عسکری کے لیے بیک وقت عقیدت کا جذبہ رکھنے کے باوجود بالآخر مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریک پاکستان کے لیے متحرک ہوئے۔ ایوب خان کے آمرانہ دور کے بعد یحیٰ خاں کے منعقدہ انتخابات میں جماعت اسلامی کے اخبار سے وابستہ رہے لیکن الیکشن میں اس جماعت کی شرمناک شکست اور بحرانوں نے اس نظم کو صفحہ قرطاس پر بکھیر دیا۔

'مشرق' کی فصل اوّل کی پہلی نظم 'مشرق ہار گیا' کا آغاز کپلنگ کے اس قول سے ہوا کہ مشرق اور مغرب کا ملنا ناممکن ہے جبکہ سلیم احمد کہتے ہیں۔ مشرق تو مغرب کا ایسا غلام بن چکا ہے کہ اُس کا اپنا وجود گم ہو گیا ہے۔ وہ تہذیب مغرب میں تہذیب مشرق کی نفی کر چکا ہے۔ لباس ادب اور خبروں میں مغرب معتبر حوالہ ہے اور بابا فرید اکبر اور اقبال کا کلام مجذوب کی باتیں ہو گئی ہیں۔ یہ تہذیبی پسپائی جنگی شکستوں سے زیادہ تباہ کن ہیں کیونکہ مقابلے کا حوصلہ اور ہار کا احساس انتقام کا عنصر بھی موجود نہیں رہا۔

سن ستاون کی جنگ آزادی کی جنگ نہیں

ایسی ہار تو جیتی جا سکتی ہے (شاید ہم نے جیت بھی لی ہے)

لیکن مشرق اپنی روح کے اندر ہار گیا ہے۔

(مشرق ہار گیا، ص 2)

عارف ثاقب رقمطراز ہیں :

> "مشرق ہار گیا، میں سلیم احمد نے مشرق کے اس رویے پر دکھ اور کرب کا اظہار کیا ہے کہ مشرق نے اپنی اقدار و حیات سے روگردانی کر کے مغربی طرزِ احساس کو اپنی تمام روح پر حاوی کر لیا ہے۔"
>
> [10]

مشرق کو بطور سیاسی وحدت پیش کرنے والے شاعر اکثر مشرق اور مغرب کا موازنہ کر کے شرقیت کو مغربی مادیت پرستی پر ترجیح دیتے ہیں۔

سلیم احمد کا موقف بھی یہی ہے کہ مغرب جبلی، جسمانی اور مادی سطح پر زندہ رہنے کا نام ہے جبکہ مشرق جبلتوں کی تطہیر اور تزکیہ نفس پیدا ہونے والی روحانی تہذیب کا امین ہے۔ وہ سورج جو روشنی کا مجمع ہے مشرق سے طلوع ہوتا ہے لیکن مغربی اندھیرے اُسے نگل گئے ہیں اس ہار سے شاعر کا خود سے یقین اُٹھ جاتا ہے۔

"میں ہار گیا ہوں "

میں نے اپنے آئینے پر کالک مل دی ہے

اور تصویروں پر تھوکا ہے

ہارنے والے کے چہرے ایسے ہوتے ہیں (مشرق، ص3)

ضمنی نظم 'میں اور وہ' بیسویں صدی میں مغربی نو آبادی نظام کے خاتمے کے بعد جدید نو آبادی نظام کے تسلط کے احساس کی غماز ہے۔ جس کے زیر اثر ہمارے قدیم مغربی آقا آج بھی مشرق کی قسمت کے مالک ہیں۔ انہوں نے نام ونہاد آزاد ممالک کے سیاسی رہنماؤں کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھال رکھا ہے وہ ایک منشی کی طرح غریب عوام کا استحصال کر کے اپنے مغربی آقاؤں سے انعام واکرام وصول کرتے ہیں۔ چنانچہ خاص قسم کے رشوت خور، سازشی افسروں اور منافع خور تاجروں کی کثرت ہے۔ ایسے بے عمل اہل مشرق جب خدائی مدد نہیں پاتے تو تشکک کا شکار ہو جاتے ہیں جب کہ خدا تو موجود ہے انسان کھو گیا ہے۔ وہ مشرقی انسان جو مقید یعنی جسم سے روحانیت کی بنا پر مطلق تک جا پہنچتا تھا اب مادیت پرستی کی وجہ سے مقید جسم سے مقید کی جانب سفر کر رہا ہے اور دہشت ناک انجام سر پر کھڑا ہے :

اب تجھ پہ وہ لوگ آئیں گے

جن کی ترکش کھلی قبر ہیں!

جن کے گھوڑوں کے پیروں میں بجلی ہے

دِل کی جگہ سنگ ہیں

.....

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

اپنے اکلوتوں کے ماتم کے لیے تیار رہو (مشرق، ص17)

ذیلی نظم 'مکاشفہ' میں مشرقی اقوام اپنی تہذیبی روحانی اور ایمانی قدروں کو دفن کرنے کے بعد میدان حشر میں خدا سے بخشش کے اُمیدوار ہیں کہ یکایک یوں ہوا :

کہ اک فوج گراں کا کوچ ہے

کوہ وبیاباں میں

اور اس کے پاؤں کی سنگین دھمک

سینہ گیتی میں لرزہ ہے (مشرق، ص21)

'نام کا سفر' مشرق کی کھوئی ہوئی تہذیبی پہچان کا نوحہ ہے۔ مغرب بارز نجیر فرسودگی یعنی ناموں سے بیزار ہے جبکہ مشرق میں اسما کا علم انسان کی فضیلت کا باعث رہا ہے۔ مغربی تقلید میں مشرق اپنی شناخت کو مٹا کر اپنی مٹی کی خوشبو سے دور ہوا میں معلق ہے اس نظم میں سلیم احمد نے مشرق کی سیاسی وحدت کے لخت لخت ہونے پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہندوستان سے حجاز و یمن تک کلمہ توحید کے ماننے والوں کو متحد ہونے کا پیغام دیتے ہیں یہیں سے اُمید کی کرن پھوٹتی ہے۔

تو وہ رشتہ لفظ کیا ہے

وہ حجاز و یمن سے

کراں در کراں

ارض در ارض

پھیلا ہوا ہے

وہ ایک نخل طیب

وہ کیا ہے

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

کسی نے کہا

کلمہ لا الہ ہے

ترے حرفِ زندہ کی وہ کھیتیاں بوؤں گا

جو ابد تا ابد لہلاتی رہیں گی (مشرق، ص38)

اگلا ذیلی عنوان "آیئے ے کھیولی چلیں" میں سلیم احمد مشرقی تہذیبی اقدار کی تلاش میں ماضی کی جانب رجعت سے لے کر اپنے جائے پیدائش آباؤ اجداد کے ذکر کے آئینے میں محبت رواداری، باہمی التفات، غمگساری اور عقیدت کی روایات کو تازہ کرتے ہیں۔ یہیں تحریک پاکستان کے حوالے سے پروفیسر کرار حسین اور حسن عسکری اور دیگر کردار زندگی کے سٹیج پر اُبھرتے ہیں۔ ہجرت کے واقعے سے آپ بیتی جگ بیتی بن جاتی ہے یہ حصہ بھائی کی موت کے دکھ پر اختتام پذیر ہوتا ہے جو نئے وطن میں دفن ہو کر اجنبیت کے تمام احساسات ماند کر دیتا ہے۔

سو چپ چاپ اُن کو لحد میں اُتارا

زمیں میں گیا میرا روشن ستارا

زمین وطن آج تک اجنبی تھی

پر اب اس میں مٹی مری مل گئی تھی

کراچی تو کھولی کی اب سرزمیں ہے

یہ میری امانت ہیں اور تو امیں ہے (مشرق، ص88)

فضل اوّل کی البم نمبر 2 اور فصل دوم کی کافی ہاؤس سے نیند کی وادی تک ذیلی نظمیں سلیم احمد کے اُن ذاتی تجربات، احباب، آثار اور حوالوں پر مبنی مشرقی اقدار و دانش کے ترجمان ہیں۔ یہیں سلیم احمد مشرقی قوموں میں نفی ذات کے بجائے اثبات خودی کی نئی جستجو نئے پیراہن کی تلاش سے انسان کامل بننے کی راہ سجھاتے ہیں۔ شمیم احمد لکھتے ہیں :

"اس کے مختلف حصے مشرق میں بیسویں صدی کی عالمی انسانی صورتِ حال کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ بھائی صاحب کی زندگی اُن کے مشاغل اور دوستوں کے حوالے سے ایک شخصی سفر کی روداد بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ایک تمثیلی اور رمزیہ انداز میں زندگی کے مختلف مظاہر اور رویے کا اظہار بھی۔"[11]

حصہ نظم "ڈنر" میں مشرقی روحانی اقدار سے کٹا ہوا انسان جبلی خواہشات کی تسکین میں صرف حیوانی سطح پر زندہ نظر آتا ہے اسی لیے 'قصر سیاہ' میں سلیم احمد مسلم مشرق کی وحدت کے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین کے منتظر نظر آتے ہیں اور مشرق صرف خطہ زمین نہیں بلکہ انداز زندگی، وطیرہ زیست اور شیوہ حیات بن جاتا ہے بقول احمد انی :

"سلیم احمد کے خیال کے مطابق مشرق ایک خطہ زمین نہیں بلکہ حقیقت کلی کے تناظر میں انسان کی پہچان کا نام ہے۔ ان کے خیال میں کبھی یہ پہچان سورج کی طرح روشن اور تازہ ہواؤں کی طرح اس انداز سے پھیلی اور بکھری ہوئی تھی کہ اسے آنکھوں کی جنبش کے علاوہ سانسوں کی آمد و رفعت میں آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔"[12]

یہاں اقبال راشد اور سلیم احمد کی مشرق کے موضوع پر لکھی گئی نظموں کے اسلوب کا سرسری ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ خیال کی عظمت بیان کی عظمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ان تینوں شاعروں کے شعری اسلوب میں موضوع کی یکسانیت اور فنی حربوں کی مماثلت کے باوجود اپنا اپنا رنگ موجود ہے۔

اقبال کی شاعری کا بڑا حصہ تنقید و تنبیہ و تعمیر مشرق کے موضوع پر مبنی ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے اُن کی نظموں میں بیک وقت کئی پیرایہ بیان اُبھرتے ہیں وہ کہیں مشرق کے حال زار کی عکاسی کرتے ہوئے اظہار تاسف کرتے ہیں تو کہیں طنزیہ لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسی نظموں میں تمثیلی اور مکالماتی فنی حربہ بھی نمایاں ہے۔

گرچہ اسکندریا محروم آب زندگی

فطرتِ اسکندری آب تک ہے گرم ناؤنوش

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفی

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

خاک وخوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے (کلیاتِ اقبال، ص460)

اقبال مسلم اقوامِ مشرق کے مستقبل سے نااُمید نہیں اس لئے اُن کی شاعری میں رجائی انداز بیان بھی خاصہ نمایاں ہے۔ جو اُن کی نظموں میں جوش بلند آہنگی اور وجدانی لب ولہجہ کو جنم دیتا ہے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے

یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے (کلیاتِ اقبال، ص338)

مشرق کے حوالے سے اقبال کی اکثر نظموں میں تاریخ اسلامیہ کے ہیروز اور اہم تاریخی کرداروں کا ذکر سے تلمیحاتی رنگ خاصا چھایا۔ اس کے علاوہ کچھ نظمیں حقیقی اسلامی کرداروں کے ارد گرد بنی گئی ہیں۔ مثلاً بلال، داغ، فاطمہ بنت عبد اللہ، غلام قادر رحیلہ، صدیق، ہمایوں، خضر راہ، طارق کی دُعا، جبریل وابلیس، نادر شاہ افغان، ہارون کی آخری نصیحت، ابی سینا، محراب گل افغان کے افکار وغیرہ۔

راشد کی نظموں کا دوسرا مجموعہ 'ایران میں اجنبی' اُن کے مشرقی وحدت کے تصور کا ترجمان ہے۔ اِس مجموعہ میں وہ بھی اقبال کی طرح مشرق کی زبوں حالی کے نقشے بناتے ہیں لیکن ان نقشوں میں مذہبی حوالے موجود نہیں کبھی اُن کے لہجے میں طنز بھی موجود ہے مثلاً نظم 'سومنات' میں اہل مشرق کی مفاد پرستی پر طنز کہتے ہیں :

عجوزہ سومنات کے جلوس میں ہیں

عقیم صدیوں کا علم لادے ہوئے برہمن

جو اک نئے سامراج کے خواب دیکھتے ہیں

اور اپنی توندوں کے بل پر چلتے ہوئے مہاجن

حصولِ دولت کی آرزو میں بہ جبر عریاں

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

(کلیاتِ راشد، ص146)

راشد کے یہاں بھی اقبال کی طرح مستقبل سے خوش آئند خواب وابستہ ہیں اس لئے اُن کا لب و لہجہ پُر امید اور پر جوش ہو جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ راشد تاریخ اور مذہب کے قائل نہ ہونے کے باوجود تاریخ اسلامی کے کرداروں و تلمیحات کو اپنی نظموں میں جگہ دیتے ہیں۔ مثلاً سومنات، نمرود کی خدائی، من و سلویٰ، راشد کردار سازی کے فنی حربے کے دلدادہ ہیں یہی وجہ ہے کہ 'ایران میں اجنبی' کی اکثر نظمیں کرداری نوعیت کی ہیں۔ جن کے مرکزی کردار اپنے مکالموں اور افعال سے غلام مشرق کے کرب کے عکاس ہیں۔ مثلاً نظم میزبان، کیمیا گر، مار سیاہ، تیل کے سوداگر، وزیر چنین اور شاخ آہو وغیرہ یہ کردار مشرق کے بسنے والوں کے ساتھ ساتھ دست ستمگر کی حقیقت کو بھی بے نقاب کرتے ہیں اور ان دونوں غلام اور مالک قوم کے آپسی رشتے افسانوی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ جو اپنے لہجے کے جوش اور بلند آہنگی کے باوجود جذباتیت سے مبرا ہیں۔ ان نظموں کی ہیئت اگرچہ آزاد نظم کی ہے مگر قوافی کا اہتمام اس کی موسیقیت اور اثر انگیزی میں اضافے کا باعث ہے۔

سلیم احمد وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے مشرق کے عنوان سے ایک مسلسل اور طویل نظم لکھی ہے لیکن اس نظم میں مختلف ذیلی عنوانات اور ہیئتیں استعمال ہوئی ہیں۔ سلیم احمد کی نظم اُن کا انداز براہِ راست اور جذباتی نوعیت کا ہے جس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

> "وہ مجھے اس نظم کی ادبی اور شعری اہمیت پر اصرار نہیں، ممکن ہے کہ جمالیاتی اعتبار سے یہ بالکل ناقص نظم ہو لیکن شاعری اگر روح کی پکار اور پوری زندگی کا ثمر ہے تو یہ نظم یقیناً ایسی شاعری ہے جو میرے وجود کی پوری معنویت کا اظہار کرتی ہے۔"[13]

کئی ہزار مصرعوں پر مبنی نظم میں فنی معیار کو یکساں قائم رکھنا مشکل کام ہے سلیم احمد نے یہ نظم ایک خاص جذباتی کیفیت میں کہی ہے اس لئے کرب کا اظہار بہت برملا اور طنز کی کاٹ خاصی تیزی ہے۔ نظم مکاشفہ تاثیر کے اعتبار سے خاصی متاثر کن ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے "مشرق ہارا گیا" نظم سے لے کر "آیئے کھیولی چلتے ہیں" تک کا اکثر حصہ بیت میں نظم آزاد ہے لیکن "آیئے کھیولی چلتے ہیں" میں اچانک ہیئت مثنوی کی ہیئت میں ڈھل جاتی ہے۔

مرے باپ کے پانچ بھائی سخاوت!

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

شجاعت، لیاقت، لطافت، رفاقت،

سخاوت تھے سب سے بڑے اُن کے بھائی

انہیں دیکھنے کی سعادت نہ پائی

کچھ تقریباً دس صفحات کے بعد نظم کی ہیئت پھر آزاد ہو جاتی ہے اس نظم کے آخری چند اشعار اور مثنوی اور آزاد نظم کی ہیئت کا یہ سلسلہ آخر تک چلتا ہے البتہ آخری نظم نیند کی وادی میں الفاظ کی تکرار سے خاص قسم کی تال کا تاثر ملتا ہے اور شعور کی رو کی تکنیک کا احساس ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر سلیم احمد کی نظم "مشرق" کردار نگاری کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔ اُردو میں شاید ہی کوئی دوسری طویل نظم اتنے مختلف النوع حقیقی کرداروں کے خاکے پیش کر سکتی ہو۔ کردار کے مکالمے اعمال اور افعال اُن کے ظاہر و باطن کو بے نقاب کرتے ہیں اور ایک عہد نامہ ترتیب پاتا ہے۔

مجموعی طور پر اُردو نظم میں مشرق بطور سیاسی وحدت اقبال راشد اور سلیم احمد کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ تین شاعر مختلف ادوار اور اُن کے تقاضوں کے مطابق مشرق کی بقا کے لیے اتحاد و وحدت کا درس دیتے ہیں۔ اوّلین دور اقبال کا ہے جب مشرقی دانش میں تنقید مغرب اور تنبیہ مشرق کا متوازن رویہ رائج نہ تھا۔ اقبال نے وحدت اقوام مشرق کا تصور ایمانی بنیادوں پر اُستوار کیا اور نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشعر مسلم و غیر مسلم مشرقی قوموں کو اتحاد و تنظیم کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبال کے بعد کے دور میں راشد مذہبی روایت کا پابند نہ تھا۔ اس لئے ایشیا کی سیاسی وحدت کی بنیاد مذہب کے بجائے مشترکہ زنجیر کرب پر رکھتے ہے۔ سلیم احمد پاکستان بننے اور مشرقی پاکستان کے کھو دینے کے بعد مشرق کے تہذیبی ہار کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ آج جب مشرق اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے ان شعراء کی نظموں کی معنویت کے نئے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔

حواشی

1۔ فرمان فتح پوری: اقبال سب کے لیے، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، 2006ء، ص184۔

2۔ ابوالحسن علی ندوی: نقوشِ اقبال، (مترجم: شمس تبریز خاں) کراچی: مجلس نشریاتِ اسلام، س ن۔ ص 81۔

3۔ فتح محمد ملک: فلسطین اُردو ادب، اسلام آباد: برق سنز پرنٹرز لمیٹڈ، 1983ء، ص 13۔

4۔وزیر آغا: جدید نظم کی کروٹیں، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، 1947ء، ص72۔

5۔ن م راشد: ایک مصاحبہ، لا انسان، لاہور: المثال 1969ء، ص15-16۔

6۔ پطرس بخاری: ایران میں اجنبی، لاہور: المثال، 1969ء، ص149۔

7۔ خلیل الرحمن اعظمی، راشد کا ذہنی ارتقا، رسالہ شعر و حکمت، راشد نمبر، حیدر آباد: ہندوستان، 1971ء، ص26۔

8۔ انیس ناگی: سرودنو سے استانزے تک، مقالہ برائے ایم اے اُردو، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، 1961ء، ص69۔

9۔ سلیم احمد: پیش لفظ 'مشرق'، کراچی: مکتبہ نیا ادب، 1989ء، ص(ج)

10۔عارف ثاقب: سلیم احمد کی طویل نظم، مشرق کا مطبوعہ حصہ، مشمولہ روایت 4، بیادِ سلیم احمد مرتب جمیل پانی پتی، لاہور: مکتبہ روایت، 1987ء، ص247۔

11۔ شمیم احمد: چند ضروری گذارشات، مشرق، کراچی: مکتبہ نیا ادب، 1989ء، ص(ی)

12۔ احمد انی: مشرق ہار گیا ابتدائیہ، مشمولہ، روایت 4، بیادِ سلیم احمد، مرتب جمال پانی پتی، لاہور: مکتبہ روایت، 1987ء، ص247

13۔ سلیم احمد: پیش لفظ مشرق، کراچی: مکتبہ نیا ادب، 1989ء، ص(ج)

بنیادی ماخذ

۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، لاہور: مکتبہ جمال، 2002ء۔

۲۔ سلیم احمد، مشرق، کراچی: نیا ادب، 1989ء۔

۳۔ ن م راشد، کلیاتِ راشد، لاہور: ماورا پبلشرز، س ن۔